کے فوجی آداب کا لحاظ رکھا جاتا ہے، غالباً ایسا لحاظ جیسا اس کی زندگی میں کیا جاتا، لاش ہر وقت نہیں دیکھی جاسکتی، روزانہ اس کے اوقات مقرر ہیں، جب دیکھنے کا وقت آتا ہے ہزاروں آدمیوں کی لائن دور دور تک لگ جاتی ہے، ہمارے ساتھ وقتی طور پر یہ رعایت برتی گئی کہ سپاہیوں نے لائن کے بیچ کے حصے میں ہمیں ایک خاص طریقے سے لے لیا اور اس طرح تھوڑے وقت میں ہم اس کام سے فارغ ہو گئے، لاش کے قریب پہونچ کر ٹوپی اُتاری جاتی ہے، ہم نے بھی اُتاری اور اس لامذہب اور خدا کے منکر انقلابی کی میت کو دیکھ کر بہت سے سبق لئے، اس مکان میں پہلے اسٹالن کی لاش بھی رکھی تھی، اب اس کو یہاں سے ہٹا لیا گیا ہے اور کریملن کی دیواروں کے نیچے جہاں روس کے دوسرے بڑے بڑے ہیرو اور لیڈر مدفون ہیں یا ان کی خاک رکھی ہوئی ہے اس کی لاش بھی دفن کردی گئی ہے۔

اصل میں روسی عوام کے اِس وقت کے جذبات یہ ہیں کہ وہ اپنے تمام لیڈروں کا بہت احترام کرتے ہیں مگر کسی کو لینن کا درجہ دینا نہیں چاہتے، شاید اسی بنیاد پر اسٹالن کی لاش یہاں سے ہٹائی گئی ہے۔ خروشچیف اسٹالن سے خوش ہوتے تو کیا صورت ہوتی؟ سیاست و اقتدار کے اِن رموز کو سمجھنا آسان نہیں ہے؟ بہر حال ہم اسٹالن کی قبر پر بھی خاص طور سے گئے، اور دیر تک اس کے سفاکانہ کارناموں کا جائزہ لیتے رہے۔ واپسی سے ایک روز قبل" اکاڈمی آف سائنس" کے دفتر میں جانا ہوا،" اکاڈمی" کے ڈائرکٹر ڈاکٹر غفور اوف نے ہمیں خاص اہتمام کے ساتھ دعوت دی تھی، ڈاکٹر موصوف ہمارے خاص میزبان مفتی ضیاءالدین بابا خان اوف کے مخلص دوستوں میں ہیں، یہاں بھی بہت سے اربابِ علم جمع تھے، بہت دیر تک مختلف موضوعوں پر باتیں ہوتی رہیں اور بہترین قسم کے خربوزے بھی جو سمرقند یا دوشنبہ سے آئے تھے کھاتے رہے، ماسکو میں یہ پھل کمیاب ہے اور اس سے مہمان کی تواضع کرنا خاص بات سمجھی جاتی ہے، ڈاکٹر غفور اوف سنجیدہ، باوقار اور قابل شخص ہیں اور علمی حلقوں میں ان کا غیر معمولی احترام کیا جاتا ہے،" اکاڈمی" نے ڈاکٹر محمد اقبال کی متعدد کتابوں کا روسی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور ڈاکٹر ٹیگور کی بھی۔ قرآنِ کریم کے روسی ترجمہ کا جدید ایڈیشن حال ہی میں شائع کیا ہے بلکہ اس کی پہلی کاپی ہماری موجودگی ہی میں تیار ہوکر آئی تھی، ڈائرکٹر موصوف نے بکمالِ عنایت ہمیں

یہ نسخہ ہدیۃً دیا؛

اس کے بعد ہمارے پروگرام کا ایک ہی ضروری حصہ باقی رہ گیا تھا، یعنی ماسکو کی روحانی اور مذہبی اکاڈمی کی زیارت، یہ مقام شہر سے ستّر کیلو میٹر پر ہے، وقت کی انتہائی شدید قلت کے باوجود ہم نے وہاں کا بھی ارادہ کرلیا، اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، ہمارے پاس بہترین قسم کی تیز رفتار موٹریں ہیں، ہم نے ستّر، بہتّر کیلومیٹر کا یہ فاصلہ ڈیڑھ گھنٹے سے کم میں طے کرلیا۔

عیسائیوں کے اس روحانی شہر کو دیکھ کر ہماری آنکھیں کھُل گئیں، ہم یہاں اِن کی عبادت میں بھی شریک ہوئے، کیوں کہ اتوار کا دن تھا، ہزاروں مسیحی جن میں عورتیں زیادہ تھیں بڑے مؤثر انداز میں عبادت میں مشغول تھے، یہاں کے بڑے پادری صاحب یا اُسقف سے بھی بہت اچھی ملاقات ہوئی، موصوف کشادہ پیشانی اور حُسنِ اخلاق سے پیش آئے، پھلوں اور چاء وغیرہ سے ہماری تواضع کی، یہ اُسقف صاحب غالباً دو دفعہ ہندوستان کی سیر کرچکے ہیں، اپنے دورۂ ہند کی بہت سی دلچسپ باتیں سنا رہے تھے، وقت ہوتا تو ان سے اطمینان سے باتیں کرتے، ہم نے جلدی جلدی شرقی کلیسا کے اس سب سے بڑے روحانی مرکز کی ایک ایک چیز دیکھنے کی کوشش کی، " اکاڈمی" کا کورس شاید چار سال کا ہے اور اس میں صرف وہی طلبہ تعلیم پاتے ہیں جنھوں نے دنیا کے تمام علائق سے ترکِ تعلق کرلیا ہے اور صرف کلیسا کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا ہے، پادری صاحب نے ہمیں "کتابِ مقدس" کا رُوسی نسخہ بھی ہدیۃً مرحمت فرمایا اور ایک شکیل نوجوان راہب کو " اکاڈمی" اور اُس کے متعلّقات دکھانے کے لئے ہمارے ساتھ کردیا، اس انتظامِ خاص کے بغیر ہم اس طرح کی سیر نہیں کرسکتے تھے، ہم نے " اکاڈمی" کی وسیع اور نفیس لائبریری بھی دیکھی اور تاریخی عجائب خانہ بھی، اِس عجائب خانے کی ہر چیز دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے؛ اس کو دیکھ کر نہایت قیمتی اور قدیم ترین معلومات کے علاوہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدۂ ماجدہ مریم عذراءؑ کی پاک اور مقدس زندگی اور غیر معمولی حالات کا ایک ایک گوشہ سامنے آجاتا ہے، ان میں بعض مناظر تو نہایت ہی دل دوز ہیں، جن کو دیکھ کر بے اختیار آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں، خط کی طوالت سے گھبرا کر میں نے ماسکو کی سیر کے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا۔

ورنہ یہاں کی بہت سی باتیں ہیں جن کو تحریر میں آنا ہی چاہیے تھا، اِس روحانی اکاڈمی ہی کے مختصر حالات قلم بند کرنے کے لئے جس کی حکومت کا سکہ کبھی پورے ملک میں چلتا تھا ایک دفتر کی ضرورت ہے!

آج شہر کے سب سے بڑے ہوٹل "پراگ" میں ہمارے میزبانِ خاص جناب مفتی ضیاء الدین صاحب محترم نے دوپہر کے کھانے پر، حکومت کے بہت سے عہدہ داروں، سفیروں اور عمائدِ شہر کو مدعو کیا ہے اور یہ ہماری وداعی پارٹی ہے، یہ پارٹی بڑی ہی سنجیدہ اور شاندار رہی، اس تقریب کا سلسلہ دو گھنٹے سے زیادہ تک جاری رہا، یہ چیز نئی دیکھی کہ کھانوں کے تنوّع کے وقفے میں ضروری کارروائی ہوتی رہی، کھانے کی ایک قسم سے فراغت ہوئی تو مفتی صاحب نے گھنٹی بجائی اور کارروائی کا آغاز "خیر مقدم" سے کیا۔ "خیر مقدم" اعلیٰ درجہ کی جدید فارسی میں تھا، اس کی اصل میں نے مفتی صاحب موصوف سے لے لی تھی جو محفوظ ہے، کسی وقت دیکھ لیجئے گا، اڈریس میں تمام ضروری باتوں کا ذکر ہے۔

"ادارۂ دینیہ" نے ہمیں روس آنے کی کیوں دعوت دی اور اس کے لئے خاص ہمارا ہی انتخاب کیوں کیا، 'ہمارے دورے کا مقصد کیا ہے'۔ روسی مسلمانوں کی آزادیِ مذہب وضمیر کے خلاف معاند طاقتوں نے جو پروپیگنڈا کیا ہے اُس کی حقیقت، ہمارا شخصی تعارف؛ اور اِسی طرح کے دوسرے عنوانات پر اچھی، خاصی روشنی ڈالی گئی ہے، مفتی صاحب کے اڈریس کے بعد ماسکو کی مسجد کے خطیب مولانا احمد جان صاحب نے عربی میں ہمارا خیر مقدم کیا، اس خیر مقدم کی کاپی بھی ساتھ ہے، تقریب کے اِس حصّے کے بعد کھانے میں لگ گئے، تھوڑی دیر میں پھر گھنٹی بجی اور ڈاکٹر غفور راوف اور بعض دوسرے حضرات نے ہمیں خوش آمدید کہا اور تقریریں کیں، ہندوستانی سفارت خانے کے فرسٹ سکریٹری نے بھی مختصر اور جامع تقریر کی اور ہمارے دورۂ روس کو سراہا۔ اس کے بعد میری تقریر ہوئی جس کا ترجمہ روسی زبان میں "ادارۃ الصداقہ" کے ایک نوجوان روسی مسلمان رکن نے کیا، تقریر سب لوگوں نے توجّہ سے سُنی، افسوس ہے تقریر ریکارڈ نہ ہوئی، اس کے بعد امام صاحب کی تقریر ہوئی یہ تقریر بھی شگفتہ اور خاصی دل چسپ تھی، اس یادگار اجتماع سے فارغ ہو کر قیام گاہ پر آئے، اور برائے نام کمر سیدھی کر کے بازار کی سیر کو نکل گئے، ساتھی ہمیں ایک ایسے بازار میں لے گئے جس کی چند

منزلوں کو دیکھ کر "سوویٹ یونین" کی عام کاروباری نوعیت کا بڑی حد تک اندازہ ہوسکتا تھا، اس طرح تھوڑے سے وقت میں گویا ہم نے بہت سے بڑے بڑے بازاروں کی سیر کرلی، ماسکو کے اس تجارتی اسٹور کی خصوصیتیں بھی لائقِ دید ہیں، فروخت کا کام عام طور پر لڑکیاں کرتی ہیں اور بڑی محنت، جانفشانی اور شگفتگی سے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہیں، ایک دو جگہ چند لڑکیوں کو ہماری برابر میں کھڑا کر کے فوٹو بھی لئے گئے، اُس وقت ایک خاص سماں بندھ گیا، جہاں تک اندازہ ہوا تفریح اور شوق کی دوسری چیزوں کے علاوہ یہاں کپڑا بھی ہمارے ملک سے زیادہ گراں ہے۔

اب رات ہوگئی ہے اور چند گھنٹوں کے بعد ہمارا جہاز دہلی کے لئے اُڑنے والا ہے۔ یہ روس کا مشہور ترین جہاز ہے اور اس میں بہ یک وقت کئی سو مسافر بیٹھ سکتے ہیں، روانگی سے پہلے غُسل کا ارادہ ہے اور یہ خیال آرہا ہے کہ کوئی حادثہ پیش آئے تو ایسی حالت میں آئے کہ باوضو بھی ہوں اور باغُسل بھی، زندگی ہے تو صبح سویرے دہلی پہونچ جائیں گے۔

تفسیر مظہری اُردو

تالیف حضرت قاضی محمد ثناء اللہ حنفی پانی پتی رح

حضرت قاضی صاحب کی یہ عظیم الشان تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے بہترین تفسیر سمجھی گئی ہے۔ کلام اللہ کے مطالب ومباحث کی تفہیم وتسہیل، آیات واحادیث کی روشنی میں احکامِ شرعی کی تشریح وتفصیل اور نکات وحِکَم وغیرہ کے بیان کے لحاظ سے یہ تفسیر اپنا جواب نہیں رکھتی "ندوۃ المصنفین" کو بجا طور پر یہ فخر ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس لاثانی تفسیر کا عربی نسخہ پہلی مرتبہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اب اس گوہرِ نایاب کو اُردو کے قالب میں پیش کرنے کا بیڑہ اٹھایا گیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب تک متعدد جلدیں شائع ہو چکی ہیں، اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ ترجمہ مکمل ہونے تک برابر قائم رہے گا۔ ترجمہ کے ساتھ حسب ضرورت تشریحی نوٹ بھی دیئے گئے ہیں جن سے مطالب قرآنِ کریم کے سمجھنے میں مزید آسانی ہوگی۔ ترجمہ نہایت آسان اور شستہ وشگفتہ ہے کتابت وطباعت میں ندوۃ المصنفین کی خصوصیات کا اور بھی زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ سائز ۲۹×۲۲/۸

مترجم مولانا سید عبدالدائم صاحب جلالی۔ ھدیہ حصہ دہم غیر مجلد دس روپے ۵۰ نئے پیسے، مجلد چرمی بارہ روپے ۵۰ نئے پیسے، جلد اوّل غیر مجلد دس روپے ۵۰ نئے پیسے، مجلد چرمی بارہ روپے ۵۰ نئے پیسے۔ جلد دوم غیر مجلد گیارہ روپے مجلد چرمی تیرہ روپے، ہدیہ جلد سوم غیر مجلد بارہ روپے مجلد چرمی چودہ روپے صرف۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ بُرہان اردو بازار جامع مسجد دھلی ۶

بَابُ التقریظ والانتقاد

مکتوباتِ سلیمانی

سعید احمد اکبرآبادی

مرتبہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی۔ تقطیع متوسط ضخامت ۲۹۸ صفحات کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد پانچ روپے پتہ:۔ صدق جدید بک ایجنسی، کچہری روڈ۔ لکھنؤ۔

یہ کتاب مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اُن دوسوتیس خطوط کا مجموعہ ہے جو مولانا موصوف نے مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کو لکھے تھے، ان دونوں بزرگوں کا باہمی تعلق عنفوانِ شباب میں شروع ہوا اور اگرچہ اُس وقت دونوں کی راہیں بالکل الگ الگ تھیں، ایک اتنا کٹر مولوی کہ اڈیٹر الہلال کی آزاد مشربی کو برداشت نہیں کرسکا اور دوسرا اتنا خدا بیزار کہ اپنی تحریروں میں بھی اسے چھپاتا نہیں لیکن اس کے باوجود دونوں میں گہرا رابطۂ اخلاص ومودت تھا جو عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور ترقی کرتا رہا۔

زیرِ تبصرہ کتاب صرف جلد اول ہے، دونوں جلدوں کے خطوط کی مجموعی تعداد تین سو بہتر (۳۷۲) ہوگی، لائق مکتوب الیہ نے ان خطوط پر جو حواشی لکھے ہیں اُن کی تعداد بھی ایک ہزار سے کم نہیں، کاتب اور مکتوب الیہ دونوں دنیائے علم وادب کی نامور شخصیتیں ہیں اور خطوط کا زمانہ جو چالیس برس (از سنہ ۱۹۱۲ء تا سنہ ۱۹۵۳ء) پر پھیلا ہوا ہے، یہی وہ زمانہ ہے جس میں مسلمانوں کی بڑی بڑی علمی وتعلیمی اور مذہبی وسیاسی تحریکیں پیدا ہوئیں، عظیم الشان ادارے قائم ہوئے اور ہر میدان میں بلند پایہ شخصیتوں کا ظہور ہوا، اس بنا پر عہدِ جدید اور مسلمانانِ ہند کی نشاۃِ ثانیہ کی تاریخ میں یہ خطوط اور اُن کے ساتھ یہ حواشی تاریخی اور ادبی اعتبار سے بڑے اہم ہیں، تاریخی اس لئے کہ پرائیویٹ خطوط ایک طرف تو خود اپنے لکھنے والے کی اصل شخصیت کا آئینہ دار ہوتے ہیں جس میں چہرہ کے اچھے بُرے خدوخال جن سے شخصیت

کی ترکیب و تعمیر ہوتی ہے۔ وہ سب نظر آجاتے ہیں اور دوسری جانب بہت سے واقعات کا جو صحیح علم خطوط کے ذریعہ ہوتا ہے عام روایتی، کاغذی یا اخباری بیانات سے نہیں ہوسکتا اور ادبی اس لئے کہ ایک بڑا ادیب اور مصنف پرائیویٹ خطوط میں جو زبان استعمال کرتا ہے وہی دراصل اُس کے ادبی شعور اور ادبی مزاج و طبیعت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں آورد کے بجائے آمد، اور تکلف و اہتمام کے بجائے بیساختگی اور برجستگی پائی جاتی ہے، ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب جتنے بڑے محقق اور مصنف تھے منتظم اور نگراں بھی اُسی درجہ کے تھے، معارف کے علمی معیار کو بلند کرنے، رفقائے دارالمصنفین کی تربیت کرنے اور دارالمصنفین کو ایک بلند پایہ ادارہ بنانے کے لئے انھوں نے کیا کیا اسکیمیں بنائیں اور اُن کو عمل میں لانے کے لئے کیسی جدوجہد کی، علماء اور فضلاء، اور امراء اور رؤسا ان دونوں کا تعاون کس طرح حاصل کیا؟ علوم جدیدہ کی اُن کی نظر میں کتنی اہمیت تھی؟ اور کس طرح اُن پر ہر وقت کام کی ایک دُھن سوار رہتی تھی؟ ملکی اور بین الاقوامی سیاسیات پر اُن کی نظر کتنی گہری تھی؟ اس کا اندازہ اُن خطوط سے ہوتا ہے جو انھوں نے یورپ سے لکھے ہیں، دینی حمیت اور اخلاقی جسارت کا یہ عالم ہے کہ کلکتہ کے قیام کے زمانہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی رندمشربی گوارا نہ کرسکے، اور اُن کو سخت محتسبانہ خطوط لکھے، مگر ساتھ ہی سید صاحب جمالیاتی ذوق سے محروم نہیں تھے، چنانچہ ان خطوط میں بعض فقرے اس کا ثبوت ہیں کہ سید صاحب دل کے صاف تھے، اُن کی دوستی اور دشمنی منافقت کے عیب سے پاک تھی، سید صاحب کو خود انگریزی نہ جاننے کا اتنا ہی افسوس ہے ص (۲۸۴) جتنا کہ (مسلمان ہوجانے کے بعد) مولانا دریابادی کی مولویانہ تنگ نظری سے ان کو شکوہ ہے ص (۲۸۶) شاردا ایکٹ جس کے ذریعہ کم سنی کی شادی کو قانوناً ممنوع اور قابلِ سزا قرار دیا گیا تھا اس کے خلاف مسلمانوں نے سخت احتجاج کیا اور مولانا محمد علی اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ وغیرہما سب نے ہی اس ایکٹ کو مداخلت فی الدین قرار دیا۔ لیکن سید صاحب ان حضرات سے متفق نہیں تھے، چنانچہ خط نمبر ۱۹۱ میں لکھتے ہیں:-

"نصوصِ شرعی کے اشارات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نکاح بحالتِ بلوغ مستحسن ہے

اگر مسلمانوں کی حالت کا اقتضا ہو کہ عدم بلوغ کے غیر مستحسن نکاح سے لوگوں کو روکا جائے تو مسلمانوں کا امام ایسا کر سکتا ہے، مگر غیر مسلم حکومت میں ایسا نہیں ہو سکتا، بجز اس کے کہ مسلمان قضاۃ کا تقرر ہو اور وہ اسلامی مصالح کی بنا پر کوئی حکم دیں اور اُس پر کوئی تعزیر جاری کریں، مگر نکاح اور اُس کے لوازم ناجائز نہیں ہو سکتے"

سید صاحب کی یہ تحریر اس اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ اس میں انھوں نے بعینہ وہی بات کہی ہے جو مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں پچھلے دنوں برہان میں لکھی گئی تھی، علاوہ ازیں باہمہ عالمانہ وقار و سنجیدگی سید صاحب ضلع جگت کے بادشاہ تھے اور فقرے چست کرنے میں اُنہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کے نام بگاڑنا مثلاً عبدالحق کا عبدالباطل اور عبدالباری کو عباری لکھنا اُن کی شوخیِ قلم کی ایک ادا تھی، اِس مجموعہ میں ایک خط مولانا ابوالکلام آزاد کا بھی ہے جو انھوں نے سید صاحب کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ قطع نظر اس سے کہ مکتوباتِ سلیمانی میں ایک ایسے خط کو چھاپنے کی ضرورت ہی کیا تھی جس سے ایک مسلمان چہ جائیکہ عالمِ دین و ترجمانِ قرآن کی پردہ دری ہوتی ہے یہ خط اس اعتبار سے بڑے کام کی چیز ہے کہ اس سے مولانا آزاد کی شخصیت کے ایک اہم پہلو پر روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ پبلک لائف میں اُن کی خودداری کا رشتہ خودسری اور بالا پنداری سے جا ملا تھا، کسی کو نظر میں لاتے تھے اور نہ کسی کو اپنے درجہ اور مرتبہ کا سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود دین کے معاملہ میں اس قدر منکسر النفس اور متواضع تھے کہ سید صاحب نے مولانا کے تنخواہ یاب ماتحت ہونے کے باوجود اُنہیں ایک خط میں سرزنش کی تو مولانا نے بے چون وچرا اپنی معصیت کا اقرار غایت ندامت وشرمساری کے ساتھ کرلیا اور آئندہ اُس سے مجتنب رہنے کا عہدوپیمان کیا، اسی طرح کا ایک اور واقعہ تبصرہ نگار کو ذاتی طور پر معلوم ہے، مولانا کی وفات سے تین چار برس پہلے کی بات ہے، دلی کے ایک نوجوان قاری صاحب کسی تقریب سے مولانا کی کوٹھی پر پہونچ گئے اور وہاں موقع پاکر دعوت و تبلیغ کا فرض انھوں نے اس طرح ادا کیا کہ مولانا سے کہا "حضرت! کیا آپ وزیرِ تعلیم ہو کر اس بات کو بالکل بھول گئے کہ آپ ایک عالمِ دین اور ترجمانِ قرآن بھی ہیں، نئی دلی کی جامع مسجد آپ کے دفتر کے